# حالی اور جدید اردو غزل

ڈاکٹر ضیاء الحسن

**Abstract:**

Molana Altaf Hussain Hali was the first Urdu critic who criticized Urdu ghazal and gave suggestions to modernize it. It was his vision which guided him about the changing society and its demands. He said that the Ghazal is the most popular genre and leved by poeple, whether they are qualified or not, so we must change it and make it according to the modern sensibility. The article discusses all the point which Hali raised to modify Ghazal.

غزل کی صنف پر باقاعدہ اعتراضات کا آغاز حالی کے مقدمے سے ہوا لیکن اس سے بھی پہلے غالب یہ اعتراض کر چکے تھے:

بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے (۱)

یہ اعتراض ایک ایسے شاعر نے کیا جو غزل کا آخری عظیم شاعر ہے اور جس نے اس صنف میں ایسی شاعری کی جو حیات و کائنات کی وسعتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ نہ وقتی احساس تھا اور نہ اس کا کوئی مخصوص پس منظر تھا بلکہ بدلتی ہوئی زندگی نے شاعر کو تخلیقی طور پر احساس دلایا کہ موجود زندگی کو بیان کرنے کے لیے کسی اور ہیئت، کسی اور ساخت کی ضرورت ہے جو ہم عصر زندگی کی ہیئت سے ہم آہنگ ہو۔ حالی بھی جب غزل پر اعتراضات کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ یہ صنف مغربی ادب میں مستعمل نہیں بلکہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ یہ صنف برصغیر کے لوگوں کے مزاج میں دخیل ہے، اس لیے اس میں ایسی تبدیلیاں کرنی چاہییں کہ یہ اپنے عہد سے ہم آہنگ ہو کر اسے زیادہ سے زیادہ بہتر طریقے سے بیان کرنے کے قابل ہو سکے۔ حالی نے غزل پہ اعتراضات نہ مغربی ادب کی

مرعوبیت میں کیے اور نہ اپنی علمیت جتانے کے لیے بلکہ ان کا نقطۂ نظر ہمدردانہ ہے۔ کلیم الدین احمد، عظمت اللہ خان اور کچھ دیگر غزل کے معترضین کے برعکس حالی کی نظر عربی فارسی شاعری پر بھی بہت گہری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ غزل پہ کوئی اعتراض وارد کرتے ہیں، تو اس کے پیچھے غزل کی صدیوں پر محیط روایت نظر آتی ہے۔ یہ اس لیے بھی اہم ہے کہ غزل کا نظامِ علامات ایرانی غزل نے تشکیل دیا، اسی طرح اردو غزل کی بے شمار تلمیحات، اظہارات، استعارات اور دیگر لفظی و معنوی خوبیاں بھی اردو غزل میں فارسی غزل کی روایت سے آئی ہیں۔ حالی کا خیال یہ تھا کہ متقدمین اور متوسطین جن شعری خوبیوں کو کمال تک پہنچاتے ہیں، متاخرین تک آتے آتے ان میں میکانکیت پیدا ہو جاتی ہے اور تخلیق سے زیادہ صناعت بن جاتی ہیں۔ حالی نہ غزل کو نیم وحشی صنفِ سخن گردانتے ہیں اور نہ بلاتکلف اس کی گردن مار دینے کی تجویز دیتے ہیں کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ جملہ اصنافِ ادب میں سے غزل برصغیر کے لوگوں کے باطن میں زیادہ پیوست ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''غزل کی اصلاح تمام اصنافِ سخن میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ قوم کے لکھے پڑھے اور ان پڑھ سب غزل سے مانوس ہیں۔ بچے، جوان اور بوڑھے سب تھوڑا بہت اس کا چٹخارا رکھتے ہیں۔ وہ بیاہ شادی کی محفلوں میں، وجد و سماع کی مجلسوں میں، لہو و لعب کی صحبتوں میں، تکیوں میں اور رمنوں میں برابر گائی جاتی ہے۔ اس کے اشعار ہر موقع اور ہر محل پر بطور سند یا تائیدِ کلام کے پڑھے جاتے ہیں۔ جو لوگ کتاب کے مطالعے سے گھبراتے ہیں اور نثر یا نظم میں لمبے چوڑے مضمون پڑھنے کا دماغ نہیں رکھتے، وہ بھی غزلوں کے دیوان شوق سے پڑھتے ہیں۔ جس آسانی سے غزل کے اشعار ہر شخص کو یاد ہو سکتے ہیں، کوئی کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں ہر مضمون دو مصرعوں پر ختم اور سلسلہ بیان منقطع ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو صنف قوم میں اس قدر دائر و سائر اور مرغوب خاص و عام ہو، اس کا اثر قومی مذاق اور قومی اخلاق پر جس قدر ہو، تھوڑا ہے۔''(۲)

مولانا نے ایک سوا سو سال پہلے جس حقیقت کو جان لیا تھا، اس کو ہمارے بزعم خویش مولانا سے زیادہ پڑھے لکھے نقاد اور ادیب آج تک نہیں جان سکے اور غزل دشمنی کا روگ آخر دم تک لگائے رہے۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ کوئی ادیب کسی صنفِ ادب کا دشمن محض اس لیے ہو جائے کہ وہ کسی دوسری صنف کی ترویج و اشاعت چاہتا ہے۔ آج تک کوئی صنفِ ادب نہ کسی کے رواج دینے سے مروج ہوئی ہے اور نہ کسی کی مخالفت سے ختم ہوئی ہے۔ گذشتہ سوا سو سال میں غزل کی جتنی مخالفت ہوئی ہے، اتنی مخالفت دنیا بھر کے ادب میں کسی صنفِ ادب کی نہیں ہوئی لیکن غزل آج بھی طاقت ور تخلیقی تجربے کی امین ہے اور پورے طمطراق سے بزمِ ادب میں براجمان ہے۔ گو کہ جدید نظم میں غزل کی نسبت زیادہ بڑی شاعری تخلیق ہوئی اور افسانے میں جدید عہد کو کلیت میں بیان کیا جا سکا ہے لیکن اس کے باوجود اردو کی تمام اصنافِ ادب غزل سے رشک و حسد کا شکار ہی ہیں۔ اس کی وجہ غزل کی بے پناہ مقبولیت ہے جو آج بھی قائم ہے۔ حالی اس حقیقت سے آشنا تھے، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اس صنف ادب کی وہ خامیاں دور ہو

جائیں جنھوں نے تخلیقی تجربے کو نقصان پہنچایا ہے۔ حالی نے غزل پر جتنے اعتراضات کیے ہیں، بالکل بجا ہیں۔ غزل کی ایسی گہری تفہیم کے بعد کسی نقاد کے ہاں نظر نہیں آتی جیسی جامعیت سے مقدمے کی پچاس صفحات میں حالی نے پیدا کر دی ہے۔ حالی نے فکری و فنی اعتبار سے غزل پر چار اعتراضات وارد کیے ہیں اور چاروں واجب اعتراضات ہیں۔ حالی کے پہلے تین اعتراضات کا تعلق موضوع سے ہے اور آخری زبان و بیان کے بارے میں ہے۔

مولانا نے غزل کی اصلاح کے ضمن میں پہلی بات موضوع کے بارے میں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غزل کی بنیاد عشقیہ مضامین پر رکھی جاتی ہے لیکن لازم ہے کہ عشقیہ جذبات وہی شاعر بیان کرے جس کے دل پر یہ عشقیہ واردات گزری ہوئی، بصورتِ دیگر اس میں وہ نیچرل بیان مفقود ہوگا جو شاعری کے لے ناگزیر ہے۔ ہمارے ہاں زیادہ تر تقلید میں یہ موضوعات اختیار کیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں تصنع پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مولانا غزل کی اصلاح اپنے دور کی غزل میں پیدا ہونے والی خامیوں کے حوالے سے کر رہے تھے۔ ان کی کچھ باتیں آج بھی مؤثر ہیں کیوں کہ غزل کی کچھ خامیاں ایسی ہیں جو آج کے غزل گو شعرا کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں لیکن کچھ امور ایسے ہیں جو ان کے عہد کی غزل میں تو نظر آتے ہیں لیکن آج سوا سو سال گزرنے کے بعد غزل ان سے آگے نکل آئی ہے۔ خود ان کے اپنے عہد میں کم از کم ایک شاعر ایسے تھے جن کی غزل ان خامیوں سے پاک تھی اور وہ تھے اکبر الٰہ آبادی۔ اکبر مشرقی تہذیب کے دل دادہ تھے اور انھوں نے طنزیہ مزاحیہ اسلوب میں تیزی سے جگہ بنانے والے نئی مغربی تہذیب کے خلاف اور گم ہوتی ہوئی مشرقی تہذیب کے احیا کے لیے دیگر اصنافِ شعر کے ساتھ غزل میں بھی نئے موضوعات اختیار کیے لیکن مجموعی طور پر حالی کے عہد کی غزل خاص طور پر لکھنوی غزل کی بنا سراسر روایت کی یک سطحی تقلید پر استوار تھی، اس لیے ان کے اعتراضات درست معلوم ہوتے ہیں۔ حالی نے غزل کے نیچرل ہونے کے لیے ضروری قرار دیا کہ شاعر ایسے مضامین بیان کرے جو اس کے تجربے میں آئے ہوں، اس اعتراض کی گنجایش بھی اس لیے نکل آتی ہے کہ ان کے دور کے شاعر عشقیہ تجربات پیش کر رہے تھے اور محض تقلید میں۔ فی الاصل یہ موضوعاتی تقلید نہیں تھی بلکہ غزل کا نظامِ علامات عشق کا زایدہ تھا اور ابھی ان کے دور کے شاعر اس اجتماعی نظامِ علامات میں رہ کر ہی شعر کہہ رہے تھے۔ حالی و اکبر کی کوششوں سے اور بعد میں خصوصاً علامہ اقبال کی شاعری کے ذریعے اردو غزل اس روایتی نظام علامات سے نکل آئی جس کی وجہ سے اس صنفِ شعر میں میکانکیت پیدا ہو گئی تھی۔ حالی کی کوششوں سے غزل میں تبدیلیوں کا جو آغاز ہوا اور حالی جس قسم کی تبدیلیاں غزل میں دیکھنا چاہتے تھے، اس کی بہترین صورت اقبال کی شاعری کی صورت میں سامنے آئی۔ اقبال کے بعد یگانہ و فراق نے بھی نئی غزل کی روایت مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یوں دیکھیے تو مقدمۂ شعر و شاعری کی تصنیف کے تیس پینتیس سال کے اندر اندر غزل کی ایک بالکل نئی اور طاقت ور روایت پیدا ہو گئی جس میں زمانے کے اقتضا کے ساتھ ساتھ حالی کی شعوری کوششوں کا عمل دخل بھی نظر آتا ہے۔ حالی کی تنقید میں ایک کمی نظر آتی ہے کہ وہ شخصی تجربے اور تخلیقی تجربے میں فرق نہیں کرتے۔ شاعری شاعر کا تخلیقی تجربہ ہوتی ہے، نجی تجربہ نہیں۔ وہ متخیلہ کے ضمن میں یہ باتیں لکھ چکے ہیں

لیکن غزل کی تنقید میں انھوں نے ایک سے زیادہ دفعہ اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ شاعر صرف انھی موضوعات کو اختیار کے جن کا اسے تجربہ ہو۔ شاعر صرف نجی تجربات کو شعر میں نہیں ڈھالتا بلکہ مشاہدے اور مطالعے کے ذریعے دوسرے انسانوں کے جن تجربات سے آشنا ہوتا ہے، انھیں بھی تخلیقی تجربہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا نجی تجربہ تخلیقی تجربہ نہ بن سکے اور بیان میں خام رہ جائے مثلاً حالی لکھتے ہیں:

> ''ایک پارسا نوجوان جس کو ہوا و ہوس کی کبھی ہوا تک نہیں لگی یا ایک ستر برس کا پیر مرد جس میں بوالہوسی کی قابلیت نہیں رہی، ان کو ہرگز زیبا نہیں معلوم ہوتا کہ غزل میں شاہد بازی اور ہوا پرستی کے مضمون باندھ کر پہلے اپنے اوپر بہتان باندھے اور دوسرے اپنے تئیں رسوا و بدنام کرے۔''(۳)

یہاں وہ محبت کے سماجی پہلو کو نمایاں کرتے ہیں اور اس سے تمام انسانی تعلقات مراد لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ محبت کی ایک ہی قسم یعنی مرد عورت کی محبت ہی نہیں ہے بلکہ انسان کا دوسرے انسانوں سے ہر طرح کا تعلق بھی محبت کی ذیل میں آتا ہے اور ہمارے شاعروں کو چاہیے کہ ان تعلقات کو بھی غزل کا موضوع بنائیں تاکہ غزل کا موضوعاتی دائرہ وسیع ہو سکے۔ دوسرا اعتراض وہ ان مضامین پر کرتے ہیں جن میں خمریات اور فقہا و زہّاد کی عیب گیری کو پیش کیا جاتا ہے، یہاں بھی وہی تجربے کی شرط عاید کرتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ حالی کی دورِ جدید کی غزلیات کا سبب سے بڑا موضوع ہی فقہا و زہّاد پر نکتہ چینی ہے۔ ان کی ان غزلوں کے علاوہ بھی جن کی ردیف ''اے شیخ''، ''اے زاہد'' اور ''واعظ''(۴) ہے، اس موضوع پر درجنوں اشعار ان کے مختصر دیوان میں جو کل ایک سو تئیس (۱۲۳) غزلیات پر مشتمل ہے، مل جاتے ہیں۔

غزل کی اصلاح کے کے لیے تیسرا پہلو بھی موضوعاتی وسعت پیدا کرنے کے لیے ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حالی کا اصل مقصد غزل کی موضوعاتی اصلاح تھا، وہ چاہتے تھے کہ ان کے عہد کی غزل جو چند موضوعات کی اسیر ہو کر بدلتی ہوئی زندگی سے کٹ کر رہ گئی تھی، اپنا موضوعاتی دائرہ وسیع کر کے پھر سے زندگی سے ہم آہنگ ہو جائے۔ یہ بات جہاں سرسید کے اصلاحی پروگرام کے مطابق تھی، وہاں غزل کی حیاتِ نو کے لیے بھی ازحد ضروری تھی، حالی کے زمانے کی غزل محاورہ بندی، تنگ بندی، خیال بندی جیسی متعدد بندشوں میں قید ہو کر رہ گئی تھی اور اس بات کی ضرورت تھی کہ اسے ان بندشوں سے رہا کروا کے آزادانہ سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے کے قابل بنایا جائے۔ لکھتے ہیں:

> ''مذکورہ بالا مضامین کے سوا اور جس جس بات کا سچا جوش اور ولولہ دل پر اٹھے، خواہ اس کا منشا خوشی ہو یا غم یا مسرت یا ندامت یا شکر یا شکایت یا صبر یا قناعت یا توکل یا رغبت یا رحم یا انصاف یا غصہ یا تعجب یا امید یا ناامیدی یا انتظار یا حب وطن یا قومی ہمدردی یا رجوع الی اللہ یا حمایتِ دین و مذہب یا دنیا کی بے ثباتی اور موت کا خیال یا اور کوئی جذبہ جذباتِ انسانی میں سے، اس کو بھی غزل میں بیان کر سکتے ہیں۔''(۵)

حالی کا خیال تھا کہ دنیا ایک انقلابِ عظیم سے گزر رہی ہے۔ زندگی بہت تیزی سے تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ پرانی قومیں جگہ خالی کرتی جا رہی ہیں اور نئی قومیں ان کی جگہ حاصل کر رہی ہیں۔ ان حالات میں پرانے راگ الاپتے رہنا کچھ زیادہ خوش کن نہیں۔ حالات تقاضا کر رہے ہیں کہ غزل کا شاعر اپنے محدود دائرے سے باہر نکلے اور غزل کو حیات آشنا کرے کیوں کہ غزل اردو کی سب سے زیادہ مؤثر صنفِ سخن ہے اور اسے موجودہ زندگی پر اثر انداز ہو کر اس کی سمت نمائی کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ حالی کی خوش قسمتی دیکھیے کہ جس زمانے میں مقدمہ شایع ہوا، تقریباً اسی زمانے میں ہی ایک عظیم شاعر ایک نئی شعری روایت تشکیل دینے کا کام آغاز کر چکا تھا۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اقبال نے مقدمہ پڑھ کر شاعری کی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اقبال کی شاعری حالی کے نظریات کے عین مطابق ہے کیوں کہ انھوں نے نہ صرف غزل کے روایتی نظام علامات کو ترک کیا بلکہ اپنے لیے خود ایک نیا نظام علامات وضع کیا جو ان کی فکر کا زایدہ تھا۔ انھوں نے اپنے عہد کے چیلنجز کا سامنا کیا اور زمانے کی رہنمائی کا فریضہ اپنی شاعری کے ذریعے انجام دیا۔ اگرچہ اقبال مجموعی طور پر نظم کے شاعر ہیں لیکن ان کے مجموعی شعری تجربات کے اثرات ان کی غزل پر بھی مرتب ہوئے جس کی وجہ سے غزل کی ایک نئی طاقت ور روایت نے ظہور کیا جس کے اثرات سو سال گزرنے کے باوجود بھی صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔ اقبال نے غزل کے دائرے کو حالی کے تصور سے بھی زیادہ وسیع کر دیا۔ اگر حالی بالِ جبریل کی غزلیں پڑھتے تو بے اختیار پکار اٹھتے کہ ہاں میں یہی چاہتا ہوں کہ غزل ایسی ہو جائے۔

غزل کی اصلاح کے لیے حالی نے آخری بات زبان و بیان کے حوالے سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صدیوں تک چند موضوعات تک محدود رہنے کی وجہ سے غزل کی زبان کا دائرہ بھی محدود ہوا ہے۔ اوّل درجے کے شعرا نے غزل میں صفائی، سادگی، روزمرہ کی پابندی، بیان میں گھلاوٹ اور زبان میں لچک رکھی ہے لیکن متاخرین خصوصاً شعرائے لکھنو نے زبان و بیان کی صفائی کا خیال نہیں رکھا، اس لیے اس ضمن میں اصلاح کی بہت ضرورت ہے، اس مقام پر انھوں نے وہ نقطہ بیان کیا ہے جس کی بنیاد پر کلیم الدین احمد کی ''اردو شاعری پر ایک نظر'' کی عمارت استوار ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غزل میں اعلیٰ درجے کے ایک یا دو اشعار ہوتے ہیں اور باقی اشعار غزل مکمل کرنے کے لیے موزوں کیے جاتے ہیں۔ ان ہی بھرتی کے اشعار کو پرکشش بنانے کے لے بندش میں نیا پن، تراکیب، محاورات یا صنایع بدایع کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ غزل کی ہیئت پر حالی کی اس گرفت کے بہت مثبت نتائج برآمد ہوے کیوں کہ جدید شاعروں میں غزل کے منتخب اشعار کی اشاعت کا رجحان پیدا ہوا۔ اگرچہ انتخاب کی یہ روایت غالب سے آغاز ہوتی ہے اور بعد کے نمایندہ شعرا یگانہ و فراق کے ہاں اس کے اثرات مفقود ہیں لیکن یہاں پر اقبال کی غزل کا ذکر کیے بغیر چارہ نہیں کہ ان کے ہاں ہر شعر منتخب ہے اور انھوں نے خصوصاً بالِ جبریل میں ایک مصرع بھی فالتو نہیں رکھا۔ غزلِ مسلسل کی وہ روایت جو غالب سے شروع ہوتی ہے، اقبال کی غزل میں اتنی مسلسل ہے کہ اکثر مقامات پر اس پر نظم کا گمان گزرتا ہے۔ اگرچہ اردو غزل آج بھی کلیتًا اس خامی سے دامن نہیں چھڑا سکی لیکن حالی کے اس اعتراض کے اثرات مرتب ہوئے اور غزل اپنی ہیئت میں زیادہ چست اور تخلیقی ہو گئی ہے۔

حالی کہتے ہیں کہ اردو غزل کی روایتی میکانکی زبان کو تبدیل کرنے کی بہت ضرورت ہے لیکن یہ تبدیلی دفعتاً نہیں ہونی چاہیے بلکہ آہستہ آہستہ نئے الفاظ غزل کے خمیر میں شامل کرنے چاہییں تاکہ ان کی غرابت قاری کے اذہان کے لیے ثقیل ثابت نہ ہو، لکھتے ہیں:

> ''یہ ممکن ہے کہ کسی قوم کے خیالات میں دفعتہً ایک نمایاں ترقی اور وسعت پیدا ہو جائے مگر زبان میں دفعتہً پیدا نہیں ہوسکتی بلکہ نامعلوم طور پر بیان کے اسلوب آہستہ آہستہ اضافہ کیے جاتے ہیں اور ان کو رفتہ رفتہ پبلک کے کانوں سے مانوس کیا جاتا ہے....غزل میں اس اصول کو ملحوظ رکھیں کہ سلسلۂ سخن میں اسلوب جہاں تک ممکن ہو کم اختیار کیے جائیں اور غیر مانوس الفاظ کم برتے جائیں مگر نامعلوم طور پر رفتہ رفتہ ان کو بڑھاتے رہیں اور زیادہ تر کلام کی بنا قدیم اسلوبوں اور معمولی الفاظ ومحاورات پر رکھیں۔''(۶)

حالی کی یہ ہدایات دوسرے درجے کے شاعروں کے لیے تو کارآمد ہوسکتی ہیں لیکن بڑا شاعر کسی ہدایت نامے کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کا تخلیقی تجربہ اتنا عظیم ہوتا ہے کہ اپنے بیان کے سلیقے خود دریافت کرتا ہے۔ حالی کی یہ ہدایات بھی بعد میں آنے والے عظیم شاعر اقبال کے لیے غیر ضروری تھیں، حتیٰ کہ ان ہدایات کا اثر اکبر اور یگانہ پر بھی نہیں ہوا۔ اکبر تو اپنے طنزیہ ومزاحیہ اسلوب کی وجہ سے اعتراضات کی زد میں نہیں آئے لیکن اقبال اور یگانہ کی زبان پر بہت اعتراضات کیے گئے بلکہ تغزل کے روایتی تصور کے اسیر اذہان آج بھی اقبال کی زبان کو قبول نہیں کرتے۔ ایسا لگتا ہے کہ حالی جو کہنا چاہتے تھے، پوری طرح کہنے میں کامیاب نہیں ہوئے یا اس بارے میں ان کا ذہن پوری طرح واضح نہیں تھا۔ شعری روایت کا سفر موضوع اور اسلوب دونوں حوالوں سے ہمیشہ یوں آگے سفر کرتا ہے کہ بڑے شاعر روایت کے زندہ عناصر کو قبول کرکے اس میں نئے عناصر داخل کرتے ہیں۔ یوں وہ مانوسیت اور غرابت کے امتزاج سے ایک نئی روایت بناتے ہیں جو اسی طرح آگے بڑھتی رہتی ہے۔ اقبال نے یہی کیا اور غزل کی زبان تبدیل کی۔ بہرحال حالی کا مقصود یہ ہے کہ غزل کی زبان کو تبدیل کرنا چاہیے۔ یہاں وہ ایک گُر کی بات بتاتے ہیں کہ اس سلسلے میں استعارہ وکنایہ وتمثیل کے استعمال اور محاورات کے بدلنے پر قدرت حاصل کرنی چاہیے۔ ان کا خیال ہے کہ اردو شاعروں کے ہاں استعارے کا استعمال زیادہ تر محاورات کے ضمن میں ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محاورات کو روزمرہ کی پابندی سے فطری انداز میں برتنا چاہیے۔ عوام روزمرہ ومحاورہ کو شعر کی بندش میں دیکھ کر مسرت آمیز حیرانی سے دوچار ہوتے ہیں لیکن خواص مضمون کی سنجیدگی، صفائی اور بے تکلفی کو بھی دیکھتے ہیں۔

حالی صنایع بدایع کے غیر فطری استعمال کو غزل کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بعض مقبول اشعار میں چونکہ کسی صنعت کا استعمال بھی ہوتا ہے، اس لیے کم درجہ شاعر غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ شعر کی قبولیت اس صنعت کی وجہ سے ہوئی ہے اور وہ شعر کی اصل خوبیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صنایع بدایع کو ہی اصل سمجھ لیتے ہیں اور انھی کے التزام کو مقصد بنا لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی شاعری میں ثقالت اور غرابت پیدا ہو جاتی ہے۔

> ''شعر کی اصلی خوبی یہ ہے کہ نیچرل ہو، مؤثر ہو، لفظ اور معنیٰ سانچے میں ڈھلا ہو، اگر اس کے

ساتھ کوئی لفظی رعایت بھی اس میں پائی جائے تو اور بہتر ورنہ اس کی کچھ ضرورت نہیں۔'' (۷)

فنی حوالے سے آخری بحث سنگلاخ زمینوں کے بارے میں ہے۔سنگلاخ زمیوں میں ردیف اور قافیہ ایسا اختیار کیا جاتا ہے جن میں باہم دگر کچھ مناسبت نہیں ہوتی ہے، چنانچہ شاعر کا سارا کمال قافیہ و ردیف کی منافرت دور کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ شاعر کو چاہیے کہ ردیف ایسی استعمال کرے جو قافیہ سے میل کھاتی ہو اور ردیف و قافیہ دو مختلف کلموں سے زیادہ نہ ہوں اور رفتہ رفتہ ایسی غیر مردف غزلوں کو رواج دینا چاہیے جن کا قافیہ تنگ نہ ہو تا کہ شاعر قافیہ و ردیف میں الجھنے کے بجائے تخلیقی تجربے کی بازیافت کر سکے۔

حالی کا مقدمۂ شعر و شاعری آج بھی تنقید کی ایک اہم کتاب ہے کیوں کہ اس میں شعری نظریات کہیں سے درآمد نہیں کیے گئے بلکہ ان کی بنیاد حالی کے دور میں ہونے والی شاعری کی خامیوں اور خوبیوں کو پیش نظر رکھ کر ٹھوس ادب پر استوار ہے۔ حالی نے جن مغربی نقادوں کے نظریات سے استفادہ کیا ہے،انھں بھی من و عن قبول نہیں کیا بلکہ اپنے ادبی مسائل کے حوالے سے ان کے خیالات میں ضروری تبدیلیاں کی ہیں۔اگر چہ بعض سطحی ذہن رکھنے والے نقادوں نے ان تبدیلیوں کو حالی کی مغرب و انگریزی زبان سے ناآشنائی کو قرار دے کر ان پر گرفت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حالی اپنے مسائل سے ان کی نسبت زیادہ آگاہ تھے۔ مثلاً انھوں نے ملٹن کی بیان کردہ شعری خصوصیات میں Sensuousness کے بجائے اصلیت کو شاعری کی خوبی بتایا ہے کیوں کہ Sensuous شاعری حالی کے نظریہ شعر اور اس وقت کے مسائل سے ہم آہنگ نہیں تھی، غزل کے حوالے سے بھی انھوں نے جو کچھ کہا ہے، اسے غزل پر اعتراضات نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ وہ اس صنفِ سخن کی ناگزیریت بعد کے معترضین غزل کی نسبت زیادہ بہتر طور پر سمجھتے تھے اور چاہتے تھے روایت کا سفر جو ان کے زمانے میں آ کر ٹھہراؤ کا شکار ہو گیا تھا، جاری ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے غزل کے موضوعات اور زبان و بیان کے لیے جو اصلاحات تجویز کیں، ان کے اثرات مرتب ہوئے۔ انھوں نے اپنی معروضات کی روشنی میں اپنی غزلیہ شاعری میں بھی تبدیلیاں کیں اور ان کے بعد آنے والے شعرا میں یہ تبدیلیاں اور زیادہ ہوئیں۔ حالی کا نظریۂ شعر اقبال کی شاعری میں آ کر مکمل ہوا اور اس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ حالی نے سنگلاخ زمینوں کے حوالے سے جو باتیں کی ہیں آج جب کہ سنگلاخ زمینوں میں شاعری نہیں کی جا رہی، غیر مؤثر ہو جانی چاہییں لیکن اگر ہم آج کی غزل کا بغور مطالعہ کریں تو آسانی سے یہ بات جان سکتے ہیں کہ جس کلاسیکی دور کے طبقۂ متاخرین نے غزل کو ایک ساخت سمجھ کر میکانکی انداز میں شاعری کی تھی آج ہمارے نوجوان شعرا بھی اسے ساخت سمجھ کر شعر کہہ رہے ہیں۔ غزل کو ساخت میں بدلنے والے بڑے شاعر تو بلاشبہ ظفر اقبال ہیں لیکن ان کے اثرات سے غزل اپنی ہی ساخت میں ایسی طرح الجھ کر رہ گئی ہے جس طرح سنگلاخ زمینوں میں الجھ کر رہ گئی تھی۔شاعر بحر، قافیہ اور ردیف سے اس کی ساخت تیار کرتے ہیں اور میکانکی انداز میں قافیہ و ردیف کی بندش میں غزل مکمل کرتے ہیں۔ اگر چہ اہم شاعروں نے اپنی مخصوص لفظیات اور استعارات وضع کیے ہیں جو دوسرے شاعروں سے مختلف ہیں لیکن اس کے باوجود میکانکیت کا احساس تخلیقی تجربے پر حاوی رہتا ہے۔ ان شاعروں میں سے بہت سوں کی کل لفظیات کو دو صفحوں میں سمیٹا جا سکتا

ہے۔ ہمارے غزل گو شاعروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پھر مقدمۂ شعر و شاعری سے رجوع کریں اور ان خامیوں کی آگاہی حاصل کریں جن کی وجہ سے حالی کے عہد کی شاعری میکانکیت کا شکار ہو کر تخلیقی تجربے کی بازیافت سے محروم ہوگئی تھی۔

---

حواشی:

(۱) اسد اللہ خاں غالب، **دیوان غالب نسخۂ عرشی**، لاہور: مجلس ترقی ادب، جون ۱۹۹۲ء۔ص:۳۱۱

(۲) الطاف حسین حالی، **مقدمۂ شعر و شاعری**، لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب، ۱۹۲۹ء، ص ۱۵۷-۱۵۸

(۳) ایضاً ، ص ۱۶۲

(۴) الطاف حسین حالی، **کلیاتِ نظم حالی**۔ جلد اوّل، لاہور: مجلس ترقی ادب، جولائی ۱۹۶۸ء، ص:۱۱۳، ۱۲۹

(۵) الطاف حسین حالی، **مقدمۂ شعر و شاعری**، ص ۱۷۳

(۶) ایضاً ، ص ۲۰۲-۲۰۳

(۷) ایضاً ، ص ۲۲۹

○○○